Al-Mīthāq*Research Journal of Islamic Theology*
ISSN: 2791-0989 P, 2791-0997 E
Volume 03, **Issue** 01, January-June 2024, **PP**: 315-327
Open Access at:https://almithaqjournal.org/

Article QR

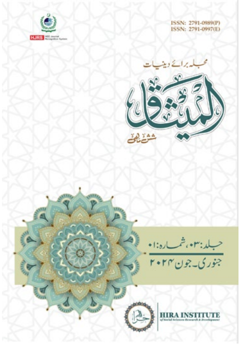

قانونِ سیر اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے معاصر اطلاقات

The Contemporary Applications of Qānūn e Siyar and International Humanitarian Law

1. Dr. Abdul Ghaffar
abdul.ghaffar@iub.edu.pk

Professor / Chairman,
Department of Fiqh and Shariah,
The Islamia University of Bahawalpur.

How to Cite:	Dr. Abdul Ghaffar. 2024: "The Contemporary Applications of Qānūn e Siyar and International Humanitarian Law". *Al-Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 3 (01): 315-327.
Article History:	**Received**: 01-06-2024 / **Accepted**: 25-06-2024 / **Published**: 30-06-2024
Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License
Conflict of Interest:	Authors declared no conflict of interest

Abstract & Indexing

DRJI · ADVANCED SCIENCES INDEX · ADVANCED SCIENCE INDEX · CiteFactor · ASIAN Research Index · SCI · Google Scholar · اشاریہ اردو جرائد · تحقیقات تحقیقاتی اشاریہ · ADL ASIAN DIGITAL LIBRARY · EuroPub

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

قانونِ سیر اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے معاصر اطلاقات

The Contemporary Applications of Qānūn e Siyar and International Humanitarian Law

1. **Dr. Abdul Ghaffar**
Professor / Chairman,
Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
abdul.ghaffar@iub.edu.pk

Abstract:

This paper explores the contemporary applications of *Siyar* (Islamic International Law) in relation to International Humanitarian Law (IHL), emphasizing their intersections, compatibilities, and divergences. Historically rooted in Islamic jurisprudence, *Siyar* governs relations between Muslim and non-Muslim states, outlining principles of justice, peace, and ethical conduct in times of both war and peace. International Humanitarian Law, as framed by the Geneva Conventions, seeks to protect human dignity and restrict the methods and means of warfare on a global scale. This study examines how *Siyar* aligns with modern IHL principles, particularly regarding the protection of civilians, the treatment of prisoners of war, and restrictions on warfare. Using a comparative methodology, this paper delves into the ethical foundations shared by both *Siyar* and IHL, analysing case studies from recent conflicts in Muslim-majority countries to assess the applicability and limitations of these frameworks. By examining these two legal systems side-by-side, this research seeks to contribute to a broader understanding of humanitarian protections and provide insights for policymakers and scholars working toward a more harmonized approach to international humanitarian governance.

Keywords: *Siyar, Islamic Law, Legal System, IHL, Justice.*

تعارف

افراد کا مجموعہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس کی منظم ومنضبط شکل ریاست کہلاتی ہے۔ماہر عمرانیات حوائج وضروریات کی بناپر جس طرح انسان کو مدنی الطبع قرار دیتے ہیں اسی طرح ایک ریاست بھی اپنی رعایا کی ضروریات کی تکمیل میں دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات اور لین دین کی محتاج ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی فرد دیگر افراد سے کٹ کر نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی بھی ریاست دیگر ریاستوں سے تعلقات استوار کیے بغیر استحکام اور رسوخ نہیں پا سکتی۔ فقہِ اسلامی میں ایک ریاست کے دیگر ریاستوں سے تعلقات مختلف عناوین سے زیرِ بحث آتے ہیں۔ انہیں علم السیر، قانونِ سیر، تعلقات بین الاقوام یا تعلقات بین الممالک جیسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر میں قانونِ سیر کے مماثل رائج عالمی قانون "بین الاقوامی قانونِ انسانیت" کے نام سے معروف ہے جس کا مقصد اور لوازمات تقریباًوہی ہیں جو اسلامی قانونِ سیر کے ہیں۔ بین الاقوامی قانون انسانیت کی ابتدا انیسویں صدی میں ہوئی جب "ہنری ڈونانٹ" نامی شخص نے 1859ء میں جنگ کے تباہ کن اثرات کو دیکھا اور ریڈ کراس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد 1949ء میں جنیوا کنونشنز کو مزید فروغ دیا گیا اور ان میں بہتری کی گئی تاکہ جنگی حالات میں بھی انسانیت کا احترام ممکن بنایا جاسکے۔ اس کنونشن کے بعد متعدد اضافی پروٹوکولز بھی آئے جن کی دفعات انسانیت کی تکریم ووقار کے گرد گھومتی ہیں۔

بین الاقوامی قانونِ انسانیت (International Humanitarian Law) اور اسلامی قانونِ سیر دونوں انسانیت کے تحفظ اور جنگ کے دوران انسانی اقدار کو برقرار رکھنے کے پرزور حامی ہیں۔ فقہِ اسلامی میں قانونِ سیر صدیوں سے ایک جامع نظام کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، جس میں مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے مابین تعلقات کو منصفانہ اور باوقار انداز میں برقرار رکھنے کے اصول دیے گئے ہیں۔ دوسری طرف، بین الاقوامی قانونِ انسانیت، جو جنیوا کنونشنز پر مبنی ہے، جنگ کے اصولوں اور انسانی حقوق کے تحفظ کا عالمی معیار فراہم کرتا ہے۔

مقالہ ہذا قانونِ سیر اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے معاصر اطلاقات کی وضاحت پر مشتمل ہے جس میں قوانین کے اساسی اصولوں کے تناظر میں معاصر اطلاقات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسلامی قانون انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور ان پہلوؤں میں جنگ اور مسلح تصادم کے حالات بھی شامل ہیں۔ اگرچہ تاریخِ انسانی میں انسان کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رویہ رہا ہے کہ تنازعہ کے فریقین اپنے تنازعات کو حل کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کا سہارا لیتے ہیں، لیکن اسلامی قوانین واضح طور پر اس دورِ فتن میں بھی اپنے عادلانہ طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے نظر آتے ہے۔ اسی مناسبت سے، اسلامی قانون میں بہت سے عمومی اصول اور دفعات موجود ہیں جن کی توثیق بین الاقوامی انسانی قانون کے اصولوں سے ہوتی ہے۔ مذکورہ دونوں قوانین عدل وانصاف اور رواداری کے اصولوں کے مطابق یکساں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، خواہ اس کا تعلق حالتِ جنگ و امن سے ہو یا جنگی قیدیوں، جنگ زدہ شہروں اور ان کے اہلیان کے ساتھ حسن سلوک سے اس کا تعلق ہو۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام میں بین الاقوامی انسانی قانون کے اصول و مبادی قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی ﷺ پر مبنی ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور ان کے پیروکاروں نے ماسوائے غیر معمولی معاملات اور حالت کے لڑائیاں لڑتے ہوئے ہمیشہ ان اصولوں کی پاسداری کی اور ان سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ ان قوانین میں سب سے اہم چیز ان تمام عمومی اصولوں کا احترام ہے جو جنگ اور اس کے ساتھ ہونے والی ناروا کارروائیوں کو کنٹرول کرتے ہیں، جیسا کہ قیدیوں کے قتل سے اجتناب، زخمیوں کا علاج، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، نیک خواہشات کا احترام اور مجموعی طور پر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ اسی طرح حالتِ امن میں غیر اقوام سے متعصبانہ اور حاسدانہ طرزِ عمل سے بچتے ہوئے ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا جس سے ان کی جان ومال محفوظ ہو اور ایسا کوئی رویہ نہ اپنایا جائے جس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، خواہ وہ مشرق سے تعلق رکھتے ہوں یا مغرب سے۔

اسلام کا قانونِ سیر

موجودہ بین الاقوامی انسانی قانون کے وضع ہونے سے کئی دہائیاں پہلے اسلام نے اپنے قانونِ سیر کے عمومی اصولوں کے تحت اپنا بین الاقوامی انسانی قانون بھی دنیا عطا کر دیا تھا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اس قانون کی عملی شکل جنگِ بدر کے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی صورت میں نظر آتی ہے۔ حسنِ سلوک پر مبنی یہ طرزِ عمل عہد نبوت میں میں واضح ہے، اور یہی معاملہ خلفائے راشدین اور اس کے بعد کے مختلف ادوار میں جاری رہا۔

بین الاقوامی انسانی قانون میں بتائے گئے اصولوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں اور اسلام کے تجویز کردہ قواعد میں کافی مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ بین الاقوامی قانون انسانی میں اسلامی قوانین کے موافق جنگ سے متعلق تمام معاملات، ہتھیاروں کی نوعیت، عسکری اور غیر عسکری اہداف میں فرق کرنے سمیت نجی املاک کو نقصان پہنچانے کی ممانعت، اور قیدیوں اور زخمیوں کا علاج کے بارے قانون سازی کی گئی ہے۔ جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کو منظم کرنے کے لئے اسلام کے قائم کردہ سب سے

نمایاں عمومی اصول درج ذیل ہیں:

1. دشمن کو اسلام کی دعوت دینا۔
2. فریق مخالف کو سنجیدہ طور پر اسلامی تعلیم و تہذیب کے مطالعہ کے مواقع فراہم کرنا۔
3. ممکن حد تک فریق مخالف سے صلح، سلامتی اور معاہدات کو ترجیح دینا، بشرطیکہ وہ اس پر آمادہ ہو اور اسے اہل اسلام کی کمزوری نہ سمجھے۔
4. عموماً جنگ کے اچانک آغاز سے اجتناب کرنا، سوائے اس کے کہ دشمن کی مکارانہ روش اس کا تقاضا کرتی ہو۔
5. جنگ کے آغاز سے قبل جنگ کی دعوت دینا یا ایسے الفاظ اور طرز عمل کا استعمال کرنا جو اعلان جنگ کے طور پر مشہور ہوں۔
6. جنگ میں خیانت اور اصولی غداری سے اجتناب کرنا۔
7. جنگی اور متنازع علاقہ جات میں موجود شہریوں اور فوجی اہلکاروں کی حفاظت کے انتظامات کرنا۔
8. فریق مخالف کی وہ جملہ املاک، مکانات، زراعت و باغات اور ساز و سامان جو ضرر رساں نہ ہو، اس کی مکمل حفاظت کرنا اور بلا ضرورت انہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا ضروری ہے۔ البتہ مضر اشیاء اور املاک کو بقدر حاجت ضائع کرنے اور تباہ کرنے کی اجازت ہے۔
9. دشمن کے بچوں، معذور اور ضعیف افراد پر رحمت اور شفقت کرنا، لاشوں کو مسخ کرنے کی سخت ممانعت، میت کی تعظیم کرنا اور انہیں باوقار انداز سے دفن کرنا۔
10. لڑائی میں براہ راست شرکت نہ کرنے والی خواتین، جنگ میں موجود ہوں یا گھروں میں، ان سب کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں کوئی اذیت نہ پہنچانا۔
11. جنگ میں شریک نہ ہونے والے افراد، عبادت گذار، تجار اور دیگر تمام خواتین و حضرات کو بھی ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھنا۔
12. اسلحہ کا استعمال اس طور پر محدود ہونا لازم ہے کہ اس کے اثرات ممکن حد تک میدان جنگ سے متجاوز نہ ہوں، اور دشمن پر اس کی تباہی بلا جواز اور تادیر قسم کے اثرات مرتب نہ کرے۔

قانونِ سیر و بین الاقوامی قانونِ انسانیت: عصری اہمیت اور تقاضے

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت اسوہ حسنہ کے طور پر عمل میں لانے کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس جملہ شعبہ ہائے حیات میں مشعلِ راہ سمجھی جائے۔ آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی ہمارے لیے تعلقات بین الاقوام کی حدود اور معیارات متعین کرتی ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کی حیثیت اقلیت کی تھی جو ریاستِ مدینہ کے قیام کے بعد مسلم ریاست میں تبدیل ہوئی یوں آپ ﷺ کا مکی اسوہ دار الکفر میں مسلم اقلیتوں کے طریق کو اجاگر کرتا ہے تو مدنی اسوہ اسلامی ریاست کے دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔

اسلام امن و سلامتی کا بھرپور داعی اور امن کی خاطر اٹھائے گئے ہر قدم کا پرزور حامی ہے۔ اسلامی قانونِ سیر کا عمیق مطالعہ قاری پر واضح کرے گا کہ اسلام میں جنگ و قتال انتہائی آخر کوشش ہے جبکہ امن اور انسانیت کے تحفظ کی خاطر اٹھائے گئے ہر قدم لاحصل اور رائیگاں ہو جائیں۔ آج دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ مسلم و غیر مسلم تمام ریاستیں جنگوں کے نقصانات

اٹھانے کے بعد ایک قوم اور برادری کی شکل میں اکٹھے ہو کر عالمی مسائل کو حل کرنے کے لیے مشترکہ قانون سازی کی اہمیت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ مختلف قوانین کی تشکیل اور تدوین کے بعد ان پر عمل کی ضرورت و اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ بہت سے جرائم عالمی جرائم متصور ہوتے ہیں جن کے مرتکب افراد پر عالمی عدالتوں میں مقدمات چلائے جاتے اور سزا کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ سب عناصر اس بات کو اجاگر کرتے ہیں کہ اس وقت دنیا امن کی تلاش میں تمام تر تعصبات اور برتری کے اصولوں کو چھوڑ کر انسانی وحدت اور اجتماعی مساوات جیسے نعروں کی چھتری تلے جمع ہو چکی اور مختلف قوانین کو عالمی قانون کا درجہ دے کر مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش میں ہے۔ انہی قوانین میں سے ایک بین الاقوامی قانونِ انسانیت ہے جو قریب قریب اسلامی قانونِ سیر کے لوازمات پر مشتمل ہے۔ چودہ صدیوں قبل آپ ﷺ کے اسوہ سے ماخوذ اور نبوی تعلیمات و ہدایات پر مشتمل قانون سیر کی طرف اقوامِ عالم کا جھکاؤ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اسلام ہی وہ واحد دین اور دستورِ حیات ہے جو انسانیت کی بقا اور تحفظ کا ضامن ہے۔ آئندہ سطور میں قرآن وسنت کی روشنی میں قانونِ سیر و بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے اساسی اصول نمبر وار بیان کرنے کے بعد ہر ہر اصول کے تحت معاصر اطلاقات اخذ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصولِ اوّل: تکریمِ انسانیت

رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار مختصر الفاظ میں دین اسلام کا خلاصہ بیان فرمایا۔ آپ ﷺ کا ہر ایک ارشاد، ہر جملہ اور ہر لفظ اہمیت کا حامل اور ان میں ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے ہزاروں ارشادات عالیہ میں جن چند ارشادات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے ان میں ایک خطبہ حجۃ الوداع بھی شامل ہے۔ بادی النظر میں اس خطبہ کے تمام فرامین اور ارشادات تکریم انسانیت کے گرد گھومتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انسانی حرمت کو ذوالحجہ کے ماہِ مقدس اور مکہ جیسے بلدِ امین میں یوم عرفہ کی حرمت کے مترادف قرار دیا۔ آپ ﷺ نے انسانی حرمت کو شعائر اسلام کی حرمت قرار دیا ہے۔

تکریم انسانیت کے اس عالمی پیغام کی نشر و اشاعت کا جو کام ہمیں کرنا چاہیے تھا وہ ICRC کر رہی ہے۔ امت مسلمہ کے افراد یہ فریضہ سر انجام نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دینِ اسلام میں انسانیت کی تکریم اور وقار کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ۔[1]

اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

آیت سے مستفاد ہے کہ ہر انسان کو، رنگ و نسل اور مسلک و مذہب کی تفریق کے بغیر ایک معزز مقام عطا کیا گیا ہے۔ یہ آیت اس بات کی غماز ہے کہ اسلام میں انسانیت کی عزت مسلمہ طور پر بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح، نبی کریم ﷺ نے بھی انسانیت کی تکریم کو ایمان کا حصہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔[2]

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ انسانیت کے احترام کا دائرہ مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ عالمگیر اصول ہے، جو معاشرتی عدل و انصاف اور باہمی احترام کو فروغ دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ اسلام انسانیت کے وقار،

حقوق، اور آزادی کو اہمیت دیتا اور اس کے تحفظ کی تاکید کرتا ہے۔ انسانیت کی تکریم کی بناپر شریعتِ اسلامیہ میں ہر ایسا عمل ممنوع قرار دیا گیا ہے جس میں انسانیت کی تحقیر کا پہلو پایا جائے۔ مثلاً گالم گلوچ، ایذا رسانی، برے القابات سے دوسرے کو پکارنا[3] حتی کہ دشمن کی لاش کو مثلہ کرنے سے ممانعت بھی انسانیت کی تکریم ہی کی بناپر ہے تاکہ کسی بھی انسان کا شخصی وقار اور تکریم مجروح نہ ہو۔

بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے حوالے سے بھی اگر بات کی جائے تو انسانیت اس قانون کا بھی اولین اور بنیادی اصول ہے۔ یہ اصول جنگ کو ایک اضطراری امر تسلیم کرتا اور جنگ کے دوران انسانیت کے تقاضوں کا پاس رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر دشمن ہتھیار ڈال دے، زخمی یا معذور ہو جائے تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ پہلے کوئی ایسا اقدام یا نقصان پہنچا بیٹھا ہو جس کی سزا سزائے موت ہو۔

معاصر اطلاقات

تکریمِ انسانیت کا یہ اصول نہ صرف شریعتِ اسلامیہ میں معتبر بلکہ قانونِ انسانیت کی بھی بنیاد ہے اس لیے اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہونی چاہیے کہ جملہ اقوامِ عالم بشمول مسلم وغیر مسلم کو وحدتِ انسانی کے تصور پر عمل کرنا چاہیے۔ ہر ایسا عمل جو انسانیت کی بقا کے منافی ہو قابلِ مذمت اور قابلِ گرفت ہونا چاہیے۔ ہاں اگر کہیں کوئی فرد یا جماعت کسی جرم کی مرتکب قرار پائے تو قانون کے دائرے میں اسے صفائی کا حق فراہم کرتے ہوئے مقدمہ چلایا جائے اور قانونی طور پر جو سزا متعین ہو وہ دی جائے۔ اس اصول کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ:

- تمام قسم کے نسلی، قبائلی، مذہبی اور طبقاتی تفریق اور امتیازات کالعدم ہونے چاہئیں۔
- تمام انسانوں کو چاہے وہ کسی بھی ریاست کے شہری ہوں، مساوی حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔
- اقوام و ممالک کے مابین اعلیٰ وادنیٰ کی تقسیم ختم ہونی چاہیے۔
- اس قانون کو مختلف ممالک کے مابین جنگ بندی کے لیے برابری کی سطح پر بروئے کار لایا جانا چاہیے۔
- کوئی بھی ملک اگر تکریمِ انسانیت کے منافی طرزِ عمل اختیار کرے تو دیگر اقوام بالخصوص اقوامِ متحدہ پر لازم ہے کہ محض زبانی مذمت پر اکتفا کرنے کے بجائے عملی اقدامات کے ذریعے ظالم کو روکے۔
- ایٹمی اور کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال مکمل طور پر منع ہونا چاہیے کیونکہ یہ مثلہ ہی کی ایک جدید شکل ہے۔

اصولِ دوم: عدلِ اجتماعی

معاشرتی انصاف اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فرد اپنی ذاتی پسند وناپسند سے بالاتر ہو کر انصاف کے اصولوں کو اپنانے کی کوشش نہ کرے۔ اسلام قانونِ سیر کے باب میں عدلِ اجتماعی کو بنیادی اصول اور لازمی تقاضا قرار دیتا ہے، جو کہ معاشرت کی فلاح و بہبود اور انسانیت کے مابین انصاف کی فراہمی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں عدل و انصاف کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور معاشرے میں عدل کے قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات میں مومنین کی دو جماعتوں کے مابین نزاع کی صورت میں ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْافَاَصْلِحُوْابَیْنَهُمَاۚفَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰاهُمَاعَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُواالَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِاللّٰهِۚفَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْابَیْنَهُمَابِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْااِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔[4]

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پس اگر ایک ان میں دوسرے پر

ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ حکم الہٰی کی طرف رجوع کرے، پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں میں انصاف سے صلح کرا دو اور عدل کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

آیت سے مستفاد ہے کہ نزاع کی صورت میں اولین کوشش صلح کی ہونی چاہیے اور مظلوم کا ساتھ دیا جانا چاہیے۔ آیت کا آخری حصہ عدل وانصاف کی ضرورت واہمیت کا پتہ دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے عدل سے کام لینے والے کے لیے یہ بشارت ارشاد فرمائی کہ وہ بروزِ قیامت اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔[5] حدیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں یہ بشارت سنائی گئی ہے جو اپنے فیصلوں اور اہل وعیال کے معاملے میں عدل وانصاف سے کام لے۔ یہ بات واضح ہے کہ مبنی بر انصاف فیصلہ وہی شمار ہوگا جس ہمہ قسم کے تعصبات سے بالاتر اور پاک ہو۔ ایسے میں اگرچہ وہ فیصلہ انسان کے اپنے خلاف یا اپنے عزیز واقارب کے خلاف شمار ہوتا ہو تاہم عدلِ اجتماعی کا تقاضا یہی ہے کہ حق پر مبنی فیصلہ دیتے ہوئے کسی قسم کا تعصب آڑے نہیں آنا چاہیے۔ یہی بات ایک آیت سے معلوم ہوتی ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔[6]

اور جب بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ رشتہ داری ہو۔

گویا کہ قول وفعل کا اثر اور زد اگرچہ رشتہ داری پر پڑتی ہو تاہم مبنی برحق بات کہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام میں عدلِ اجتماعی کی تعلیمات کا مقصد معاشرے میں ایسے اصولوں کو فروغ دینا ہے جن کے ذریعے ہر فرد کو اس کے حقوق ملیں اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ:

الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ۔[7]

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ سو اللہ کو مخلوق میں سے سب سے زیادہ پسند وہی ہے جو اس کے کنبہ سے بھلائی کرے۔

حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اس قدر ہے کہ اللہ کے نزدیک محبوب شخص وہی ہے جو معاشرتی سطح پر ہر ایک کے ساتھ انصاف کا رویہ اختیار کرے اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرے۔ اسلام میں عدل وانصاف کا دائرہ محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر سطح پر کیا گیا ہے، چاہے وہ گھریلو معاملات ہوں یا ریاستی امور۔ عدل ومساوات پر مبنی یہ احکام جس طرح نجی معاملات میں لاگو ہوتے ہیں اسی طرح ریاست کے دیگر ریاستوں کے ساتھ معاملات میں بھی یہ اصول مدِ نظر رہنا چاہیے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں بھی معاشرتی انصاف کی اہمیت اور عمل پر زور دیا گیا ہے۔ تمام ریاستوں کے شہریوں کو عالمی سطح پر مساوی حقوق کا حاصل ہونا، جرائم کی بنا پر مساوی حقِ انصاف اور حقِ تفتیش وتحقیق، ثبوتِ جرم پر یکساں سزا کا نفاذ ایسی دفعات ہیں جو عدلِ اجتماعی کا پتہ دیتی ہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دفعات کو بلا تفریق عمل میں لایا جائے اور کسی بھی قسم کے طبقاتی امتیازات کو روا نہ رکھا جائے۔

معاصر اطلاقات

عدل ایک خاص طرزِ عمل کا نام ہے جس کا دائرہ کار زندگی کے ہر ہر شعبہ کو محیط ہے۔ یہ کوئی محدود وصف نہیں کہ جس کے چند ایک مظاہر ہوں بلکہ اپنی ذات سے لے کر خاندان اور پھر ریاست سے لے کر اقوامِ عالم تک ہر طرزِ عمل اور رویہ مبنی بر انصاف ہونا عدلِ اجتماعی کا تقاضا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں عدلِ اجتماعی کا مقصد ہر طبقے اور فرد کو اس کے حقوق فراہم کرنا اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا ہے جہاں کسی کو ظلم، استحصال یا زیادتی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگر عالمی معاشروں میں عدلِ اجتماعی کی ان

تعلیمات پر عمل کیا جائے تو یہ معاشرتی ہم آہنگی، اخوت اور امن کی راہ ہموار کرتا ہے اور معاشرے میں محبت و احترام کو فروغ دیتا ہے۔ اگر عدلِ اجتماعی کے معاصر اطلاقات کے حوالے سے بات کی جائے تو درج ذیل امور اہمیت کے حامل معلوم ہوتے ہیں:

- ایک ریاست کے تمام شہریوں کو جملہ شہری حقوق بلا استثناء اور کسی قسم کی طبقاتی تفریق کے بغیر حاصل ہونے چاہئیں۔ ان میں خوراک، رہائش، صحت، تعلیم اور روزگار سے متعلق حقوق بھی شامل ہیں اور قانونی و سماجی لحاظ سے بھی وہ تمام حقوق شامل ہیں جو ایک ریاست ہر ہر شہری کو فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ مثلاً آزادی اظہارِ رائے، کسی گروہ یا جماعت سے وابستگی کا حق، حقِ خودارادیت، جرائم کے باب میں قانونی چارہ جوئی، عدالتی شنوائی وغیرہ۔
- ریاستی سطح پر بھی ہر ملک اور ریاست پر لازم ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی دوسری ریاست کے داخلی معاملات میں دخل اندازی سے گریز کرے کیونکہ کسی دوسری ریاست کے داخلی معاملات میں دراندازی اس کی آزادی اور سالمیت کے منافی ہے۔ یہ حق بلا تفریق تمام ریاستوں کو حاصل اور دیگر ریاستوں پر اس کا احترام لازم ہے۔
- اقوامِ عالم کے تعلقات کے مابین بھی یہ اصول مدِ نظر رہنا چاہیے۔ چند اقوام یا ممالک کا ایسا اکٹھ یا جوڑ جو دیگر ریاستوں اور انسانیت کے لیے مضر ہو، ممنوع ہونا چاہیے۔
- اقوامِ متحدہ میں تمام ممالک کی برابر شنوائی ہونی چاہیے۔ کسی ملک یا ریاست کو اہم اور دوسری کو غیر اہم سمجھنا یا اس پر مبنی طرزِ عمل اختیار کرنا عدلِ اجتماعی کے منافی ہونے کی بنا پر قابلِ مذمت ہونا چاہیے۔
- اقلیتوں کو حاصل حقوق تمام ممالک میں یکساں ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی قوم کسی ملک میں اقلیت ہو تو وہاں کی اکثریت انہیں وہ حقوق دینے سے گریزاں ہو جس کے وہ کسی اور ملک میں بطور اقلیت خواہاں ہوں۔

اصول سوم: عہدِ وفا اور احترامِ معاہدات

شریعتِ اسلامیہ میں عہد و پیمان کی پاس داری اور وعدہ کو پورا کرنے پر نہایت زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت میں وفا بالعہد کی مدح جبکہ عہد شکنی کی مذمت واضح الفاظ میں بیان کرنے کے علاوہ اسے منافقانہ طرزِ عمل شمار کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۔[8]

اور عہد پورا کرو بیشک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آیت میں عہد کو پورا کرنے اور بروز قیامت اس کے بارے میں سوال جواب سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ امر کس حد تک لازم و مطلوب ہے؟ اسی طرح قرآن میں یہ قابلِ مذمت گردانا گیا ہے کہ انسان کہے ہوئے پر عمل نہ کرے۔[9] روایات میں ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ موجود ہے جس میں نبی ﷺ کی بابت دریافت کرنے پر جب ابوسفیان نے تمام صورتحال بتائی تو جواباً ہرقل نے کہا:

سالتک ماذا یامرکم فزعمت انه امرکم بالصلاة والصدق والعفاف والوفاء بالعهد واداء الامانة قال وهذه صفة نبی۔[10]

میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں تو تم نے جواب دیا کہ نماز، صدق، پاکدامنی، ایفائے عہد اور امانت کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ تو نبوی اوصاف ہیں۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق و وفاء اوصافِ نبوت میں سے ہے۔ ایک روایت میں ان اوصاف کی نقیض یعنی کذب اور عہد شکنی کو علامتِ نفاق قرار دیا گیا ہے۔[11] نصوص کی رو سے ایفائے عہد کے مطلوب و محمود ہونے میں کوئی کلام باقی نہیں رہتا۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے مذکورہ نصوص کی بنا پر عام قاعدہ یہ فراہم کیا ہے کہ:

في العهود وفاء لاغدر۔[12]

معاہدات میں اصل انہیں پورا کرنا ہے، ان میں خیانت جائز نہیں۔

ایفائے عہد پر عمل انسانی کی انفرادی زندگی میں تو اہم ہے ہی تاہم جب کوئی دو ریاستیں کسی بات پر معاہدہ کرلیں تو دونوں اطراف کے کثیر عوام کے متعلق ہونے کی بنا پر معاہدہ کی پاس داری کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ جنگ بندی کا معاہدہ کرنے کے بعد اگر اسے توڑ دیا جائے تو ہونے والے نقصان کا اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل امر نہیں۔ سیرتِ طیبہ میں صلح حدیبیہ، میثاقِ مدینہ و دیگر معاہدات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس قدر عہد کی پاس داری فرمائی کیونکہ ان کا اصل مقصد امن وسلامتی کو بحال کرنا اور پر امن بقائے باہمی کے تصور کو دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ صلح حدیبیہ میں تمام تر شرائط اپنے خلاف ہونے کے باوجود جنگ بندی کا معاہدہ بھی اسی کو اجاگر کرتا ہے کہ انتہائی کٹھن اور دشوار حالات میں بھی امن وسلامتی کے لیے تمام وسائل بروئے کار لانے چاہئیں۔ ایفائے عہد کا یہ اصول اسلامی ریاست کو بالخصوص اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ دیگر ممالک کے ساتھ کیے جانے والے معاہدات کی پابندی لازمی بنائیں۔ تاہم اگر دوسرا فریق معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو پھر اس معاہدہ کے ختم کرنے کے اعلان کر دیا جائے تاکہ بعد میں کیا جانے والا کوئی بھی عمل یا اقدام معاہدے کی خلاف ورزی قرار نہ پائے۔

الحرب خدعة: وضاحت وتطبیق

قانون سیر میں غدر اور نقضِ عہد کے ساتھ ساتھ ایک مسئلہ جنگ میں دھوکہ یا فریب کا بھی سامنے آتا ہے جسے جنگی چال سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ کو "خدعة" یعنی چالبازی کہا۔[13] اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدعة سے کیا مراد ہے اور کون کون سے امور خدعة میں شامل ہیں؟ اس سلسلے میں امام سرخسی کی عبارت کا حاصل درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے[14]:

- ایک رائے یہ ہے کہ اگر خدعة سے مراد کذب بیانی ہے تو "الحرب خدعة" کی رو سے اسے جائز ہونا چاہیے۔ یہ ایک نقطہ نظر ہے تاہم امام سرخسی کے نزدیک یہاں کذب سے حقیقی کذب مراد نہیں بلکہ ذومعانی الفاظ کا استعمال ہے کہ ایسا لفظ بولنا جائز ہے کہ جس سے سامع متبادر الی الفہم معنی مراد لے جبکہ قائل اس کا مفہوم بعید مراد لے رہا ہو جس کی لفظ میں گنجائش ہو۔ تاریخ اور روایات میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ قائل نے ایک لفظ سے بعیدی معنی مراد لیا جبکہ سامع اس کا متبادر الی الفہم معنی مراد لے کر حقیقت سے بے خبر رہا۔ ابراہیم علیہ السلام کا تین مواقع پر جھوٹ بولنے کا معاملہ ایسا ہی ہے کیونکہ حقیقی کذب عصمت کے منافی ہے۔[15]
- ایسا قول یا فعل جو فی نفسہ جائز تاہم مخاطب اس کو سمجھ نہ سکے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ کے لیے کوچ فرماتے تو مخالفین کی طرف جانے کی بجائے کسی اور طرف کا تاثر دیتے۔[16] یہ امر خدعة میں شامل اور اس کی اجازت ہے۔
- ایسی چال یا سرگرمی جس سے غدر، دھوکہ اور عہد شکنی لازم آئے وہ ناجائز ہوگا۔ اس کی مثال امام سرخسی نے یہ پیش کی ہے کہ اگر جنگ کے دوران کوئی مسلم کسی حربی کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کرے جبکہ زیرلب یہ کہہ رہا ہو کہ آؤ میں تمہیں قتل کروں جبکہ مخالف یہ سمجھے کہ یہ مجھے پناہ دینے کے لیے بلا رہا ہے تو یہاں اسے قتل کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ یہ عمل جائز جنگی

چال سمجھا جائے گا۔ کیونکہ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی مسلمان نے اگر مخالفین میں سے کسی کو پناہ دے دی تو بقیہ پر اس کا احترام لازم ہے۔ یہاں وہ اس کے اشارہ پر اعتماد کرتے ہوئے آرہا ہے تو اس کا قتل جائز نہ ہو گا اور پناہ لازم ہو گی۔[17]

- اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمانوں کا سفیر ظاہر کرے اور جب فریقِ مخالف اسے سفارت کی بنا پر امن دے تو اب مسلمان کے لیے حملہ کا جواز نہ ہو گا۔ یہاں چاہے وہ مسلمان در حقیقت سفیر ہو یا اس نے اپنے آپ کو جنگی چال کے طور پر سفیر متعارف کروایا ہو بہر صورت یہی حکم ہے کہ یہ جائز جنگی چال نہیں بلکہ غدرِ ممنوع ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی نے یہی بات نقل کی ہے۔[18]

بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں بھی دھوکہ دہی کے لیے "Perfidy" اور جنگی چالوں کے لیے "Ruses of War" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور بالترتیب اول کو ناجائز اور دوسرے کو جائز شمار کیا جاتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس کے معاصر پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔[19]

معاصر اطلاقات

جنگی چالوں سے متعلق بہت سے مسائل عصرِ حاضر میں دیکھے جاسکتے ہیں کہ ہر فریق اپنی تفہیم کے مطابق کسی بھی امر کو جنگی چال سے تعبیر کرتا اور جائز سمجھتا ہے۔ ماقبل کی گفتگو سے پتہ چلا کہ ہر قسم کا دھوکہ خدعۃ میں شامل ہو کر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ موجودہ دور میں خود کش حملے اس کی ایک بڑی مثال ہیں کہ ایک فریق اپنے خدوخال اور بیانیہ سے فریقِ مخالف کو اطمینان دلا کر اس کی لاعلمی میں حملہ کرتا ہے۔ جائز خود کش حملہ کے لیے اسلامی قانون اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں چار امور کا پایا جانا لازم ہے:

1. حملہ مسلح تصادم یعنی جنگ کے دوران کیا جائے نہ کہ حالتِ امن میں۔
2. حملہ آور مقاتل ہو نہ کہ عام شہری یا غیر مقاتل جسے فریقِ مخالف فریق شمار ہی نہ کر رہا ہو۔
3. حملے کا ہدف بھی دوسرے فریق کے مقاتلین ہونے چاہئیں۔
4. حملے میں ایسا طریقہ یا ہتھیار استعمال نہ ہوں جو قانوناً ناجائز ہوں۔ طریق کی مثال یہ کہ حملے میں مثلہ لازم نہ آئے اور ہتھیار کی مثال کیمیائی ہتھیار جن کا استعمال قانوناً ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

قانونِ سیر ہو یا بین الاقوامی قانونِ انسانیت، خود کش حملہ کے جواز کے لیے ان چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اب اگر موجودہ دور میں کیے جانے والے حملوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ جائز نہیں۔ شرائط کے فقدان کے علاوہ یہاں مسلم نظریہ کے مطابق خودکشی کی ممانعت کے پہلو سے بھی تفصیلی مباحث کی گئی ہیں جنہیں مطولات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے البتہ اتنی بات طے ہے کہ اسلامی قانونِ سیر اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت کی رو سے معاصر خود کش حملوں کو کسی صورت جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح موجودہ دور میں کسی قیدی یا مجرم کو یہ تاثر دینا کہ تمہیں رہا کیا جارہا ہے جبکہ در حقیقت اس کی پیٹھ پیچھے وار کرنا اور پھر اسے حملہ آور قرار دے کر قتل کرنا بھی جائز نہ ہو گا۔ اسی اصول کی رو سے بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں دشمن کو غلط اطلاع دینا جائز سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی قانونِ سیر میں یہ اس صورت میں جائز ہے جب اس کے لیے کذب کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ گویا کہ توریہ وغیرہ کے ذریعہ اگر دشمن کو لاعلم رکھا جائے تو اس کی اجازت ہو گی۔

اصولِ چہارم: اصولِ تمیز

تمیز امتیاز اور فرق سے ہے اور قانون کی رو سے اس کا مطلب ہے کہ افراد و حالات میں فرق کرنا۔ یعنی جنگ کے دوران

مقاتلین وغیر مقاتلین کے مابین تمیز، حالتِ جنگ اور حالتِ امن کے مابین تمیز وغیرہ۔ اسلام میں انسانی جان کی حرمت اور عصمت کو یقینی بنانے کے لیے انتہائی سخت اور واضح احکام دیے ہیں۔ ان میں عمداً کسی کو قتل کرنے پر شدید وعید سے لے کر انسان جان کے تحفظ اور بقا کی تعلیمات شامل ہیں۔ اسلام کی رو سے ایک انسان جان کی بقا پوری انسانیت کی بقا جبکہ ایک کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔[20] یہی وجہ ہے کہ جنگ جو کہ نفرت وانتشار کا ایسا دورانیہ ہوتا ہے جس میں اکثر حقوق پامال کیے جاتے ہیں، کے دوران بھی اسلام کا مطمح نظر بقائے انسانیت رہتا ہے۔ جنگ کے نقصانات کو کم سے کم رکھنے کے لیے اسلام مقاتلین وغیر مقاتلین کے مابین فرق کرتا اور صرف مقاتلین کو ہدف بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ غیر مقاتلین میں وہ افراد ہوتے ہیں جو عملی طور پر جنگ سے لاتعلق ہوں۔ ان میں بچے، عورتیں، بوڑھے، مذہبی پیشوا اور معذورین شامل ہیں اور ان کے قتل کی ممانعت مختلف روایات میں وارد ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ جو کوئی معاہد، پر ظلم کرے یا اس کی توہین کرے اور اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے تو بروزِ قیامت میں اس کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔[21]

مذکورہ روایت میں لفظ "معاہد" کے عموم میں ذمی اور دوسرے ملک کے وہ شہری شامل ہیں جن سے امن وامان کا کوئی معاہدہ کر لیا جائے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ میں بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[22] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جہاد پر تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ ام سلیم اور انصار کی دیگر خواتین کو لے جاتے۔ وہ عورتیں مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتیں۔[23] ایک دوسری روایت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ میں نے سات غزوات میں حصہ لیا۔ میں پیچھے کجاووں میں رہتی، ان کے لیے کھانا بناتی اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی۔[24] یہ روایت نہ صرف زخمیوں کی دیکھ بھال پر مامور افراد کے غیر مقاتل ہونے پر دال ہے بلکہ ان کا دائرہ کار بھی متعین کرتی ہے کہ انہیں تحفظ جنگ میں عملاً حصہ نہ لینے کی بنا پر حاصل ہے۔ تاہم اگر ان غیر مقاتلین میں سے کوئی بھی جنگ میں شریک یا مقاتلین کے لیے تقویت کا باعث بن رہا ہو تو سبب کی بنا پر اس کے قتل کی اجازت ہوگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلامی قانون ہو یا بین الاقوامی قانونِ انسانیت، حملے کا جائز ہدف مقاتلین ہی ہیں۔ قانون کی رو سے ایسا فرد مقاتل سمجھا جائے گا جس میں چار شرطیں پائی جائیں:

- وہ کسی کمان دار کے ماتحت ہو۔
- کسی علامت یا لباس کے ذریعے غیر مقاتلین سے ممتاز ہو۔
- واضح طور پر ہتھیار سے مسلح ہو۔
- جنگی آداب اور قوانین کا لحاظ کرنے والا ہو۔

ان شرائط کی تفصیل چوتھے ہیگ معاہدہ کی دفعہ 1 اور تیسرے جنیوا معاہدے کی دفعہ 4 میں دیکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ جن افراد میں یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ غیر مقاتلین میں شامل اور قتل سے مستثنیٰ ہوں گے۔

معاصر اطلاقات

عصرِ حاضر میں جنگ وجدل ایک نفسانی خواہش اور جاہ وحشم کے جذبہ کی تسکین بن چکی ہے۔ طاقت کے نشے میں مست ریاست کمزور ریاست پر قبضہ اور اس کی رعایا کو غلام بنانے کی تگ ودو میں نظر آتی ہے۔ ایسے میں اگر بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو عملی طور نافذ کر دیا جائے تو کافی حد تک اس فساد کی اصلاح ممکن ہے۔ یہ قانون دورانِ جنگ مقاتلین کو جن آداب اور ضوابط کا پابند بناتا ہے ان پر سو فیصد عمل جنگی نقصانات کو کم سے کم رکھنے کی ضمانت ہے۔ مثال کے طور پر اگر اسی اصولِ تمیز کو لے لیا جائے تو ہر فریق

پر شروع ہی سے یہ پابندی لگ جاتی ہے کہ جو آپ کے مقابلہ پر نہ آئے اسے نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اسی طرح اگر جنگ کے دوران کوئی اس سے باز آجائے یا ہتھیار ڈال دے تو بھی اپنے انتقام کے جذبہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے رک جانا لازم ہے۔

اگر ماضی قریب یا حالیہ دو ریاستوں کے تصادم کو دیکھا جائے تو اس اصول پر عمل کم ہی نظر آیا ہے۔ علاوہ ازیں کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال بھی کثیر پیمانے پر نقصان کا باعث بنتا ہے کیونکہ ان کا پھیلاؤ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ یقینی طور پر کئی غیر مقاتلین اس کی زد میں آتے ہیں۔ جب یہ امر یقینی ہے تو اس اصول کا ایک معاصر اطلاق یہ ہوگا کہ کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال منع ہو کیونکہ اس میں یہ تمیز باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح مسلح تصادم کے بعد جنگ زدہ علاقے میں ریڈ کراس سمیت دیگر فلاحی و رفاہی اداروں کو ہدف بنانا بھی کسی طور پر درست نہ ہوگا۔

بسا اوقات مقتدر قوت کا جذبہ انتقام بعد از جنگ بھی باقی رہتا ہے اور وہ اپنے مخالف کے معین و مددگار افراد کو بھی نشانہ بناتا ہے۔ جنگ کے بعد اس امر کی بالکل ممانعت ہونی چاہیے۔ اسی طرح طبی عملہ، خوراک و رہائش کے لیے ضروری سامان لے کر جانے والے قافلوں کو اس اصول کی رو استثناء حاصل ہونا چاہیے کیونکہ وہ جنگ کی تباہ کاریوں کے بعد بحالی کے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔

خلاصہ بحث

فقہِ اسلامی میں علم السیر یا قانونِ سیر بین الاقوامی تعلقات، جنگ، امن، اور غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ معاہدات پر مشتمل اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ قانون اسلامی شریعت کی روشنی میں بین الاقوامی اصول مرتب کرتا اور مسلم ریاست کی عالمی ذمہ داریوں کو واضح کرتا ہے۔ دوسری جانب، بین الاقوامی قانونِ انسانیت (International Humanitarian Law - IHL) عصرِ حاضر میں اقوام متحدہ اور جنیوا کنونشنز جیسے بین الاقوامی معاہدات کے تحت وضع کردہ اصولوں کا مجموعہ ہے، جو جنگی حالات میں انسانی جان اور وقار کی حفاظت کو یقینی بناتا ہے۔

اسلام میں انسانی جان کی حرمت بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور کسی بھی غیر ضروری نقصان سے بچنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی قانونِ انسانیت بھی جنگ کے دوران شہریوں، زخمیوں، اور قیدیوں کے حقوق کی حفاظت پر زور دیتا ہے، اور ان کے خلاف کسی بھی قسم کی زیادتی کو منع کرتا ہے۔ قانونِ سیر میں جنگ کی اجازت صرف دفاع اور مظلوموں کی مدد کے لیے دی گئی ہے۔ جنگ میں کسی بھی قسم کی زیادتی، بدعہدی، اور قتلِ عام کی ممانعت ہے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت میں بھی جنگ صرف دفاع اور خاص حالات میں جائز سمجھی جاتی ہے۔ قانونِ سیر میں معاہدات کی پاسداری انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، معاہدات کو پورا کرنا لازم اور بدعہدی کو سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت بھی معاہدات کی پاسداری پر زور دیتا ہے، اور کسی بھی ملک یا فریق کی جانب سے معاہدے کی خلاف ورزی کو جرم سمجھا جاتا ہے۔ آج کے دور میں، عالمی سطح پر اعتماد سازی اور معاہدات کی پاسداری امن کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔ جدید عالمی تنازعات، جیسے شام، یمن، افغانستان، اور فلسطین کے تنازعات میں عام شہریوں کو درپیش مشکلات کو دیکھتے ہوئے بین الاقوامی قانون انسانیت اور قانون سیر کے اصولوں کو بروئے کار لانے کی اشد ضرورت ہے۔ اسلامی قوانین اور بین الاقوامی قوانین کے درمیان ہم آہنگی نہ صرف اسلامی ممالک میں انسانی حقوق کی بحالی میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے بلکہ عالمی سطح پر امن و انصاف کے فروغ میں بھی مدد دے سکتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1 سورۃ الاسراء17:70۔

2 البخاری،محمدبن اسماعیل،**الجامع الصحیح**،(ریاض:دارالحضارۃ للنشر و التوزیع،2015ء)،کتاب الایمان،باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه،رقم الحدیث:13۔

3 سورۃ الحجرات میں ان تمام رویوں کی ممانعت وارد ہے جو انسانی تحقیر اور تضحیک کا سبب بنتے ہیں۔مثال کے طور پر تمسخر،ایذا،برے القاب سے پکارنا،غیبت وتجسس وغیرہ۔

4 سورۃ الحجرات49:9۔

5 القشیری،مسلم بن حجاج،**صحیح مسلم**،(ریاض: دارالسلام، 2014ء)، کتاب الامارۃ،باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر،رقم الحدیث:1827۔

6 سورۃ الانعام6:152۔

7 خطیب تبریزی،محمد بن عبد اللہ،**مشکوٰۃ المصابیح**،(لاہور:مکتبہ رحمانیہ،سن ندارد)،رقم الحدیث:4998۔اس حدیث کی سند یوسف بن عطیہ الصفار نامی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے تاہم قرآن وسنت کے عمومی دلائل اور اس مفہوم کی دیگر احادیث کی روشنی میں حدیث کا مفہوم تقویت پاتا ہے۔

8 سورۃ الاسراء17:34۔

9 دیکھیے:سورۃ الصف61:3۔

10 البخاری،**الجامع الصحیح**،کتاب الشہادات،باب من امر بانجاز الوعد،رقم الحدیث:2535۔

11 ایضاً،رقم الحدیث:2536۔

12 اس اصول کی دلیل عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں کہ"من كان بينه و بين قوم عهدفلايحلن عقدا ولا يشدن حتى يمضى امده اوينبذ اليهم على سواء۔(الترمذی،**السنن**، کتاب السیر،باب ماجاءفی الغدر،رقم الحدیث:1506۔)

13 ابوداؤد،**السنن**، کتاب الجهاد، باب المكر فی الحرب،رقم الحدیث:2267۔

14 السرخسی،محمدبن احمد،**شرح السیرالکبیر**،(بیروت: المكتب الاسلامی، 1999ء)، باب الحرب خدعة،1/85۔

15 ایضاً۔

16 ابوداؤد،**السنن**، کتاب الجهاد، باب المكر فی الحرب،رقم الحدیث:2267۔

17 السرخسی،**شرح السیر الکبیر**،باب الامان ثم یصاب المشرکون بعد امانهم، 1/183۔

18 ایضاً،باب ما یکون امانا ممن یدخل دارالحرب والاسرىٰ ومالايكون امانا،2/66۔

19 تفصیل کے لیے دیکھیے:پہلا اضافی پروٹوکول،دفعہ37۔

20 سورۃ المائدۃ5:32۔

21 خطیب تبریزی،**مشکوٰۃ المصابیح**،کتاب الجهاد،باب الصلح،ص353 ۔

22 ایضاً،کتاب الجهاد،باب القتال فی الجهاد،ص342۔

23 ایضاً۔

24 ایضاً۔